

## چھلاکھروپے والی صدر

دروپتی مرمو 1958ء میں رینگ پور جیسے پسمندہ علاقہ میں پیدا ہوئی۔ غربت، جہالت اور ترقی سے محروم گاؤں، جسکی کسی قسم کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بس وہاں لوگ پیدا ہوتے تھے، ساٹھ ستر برس کی بے معنی سی زندگی گزارتے تھے اور پھر مر جاتے تھے۔ دروپتی بھی کچھ ایسے ہی بے معنی سے خاندان میں پیدا ہوئی تھیں۔ قبیلہ کا نام سنتل تھا جو کہ سرکاری لحاظ سے Scheduled Caste میں شمار کیا جاتا تھا۔ یعنی ایسے لوگوں کا گروہ جس میں بھوک، نگ، علمی، نگ دستی اور حقوق کا نہ ہونا شامل تھا۔ تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو مرمو جیسی ان گنت لڑکیاں اس قبیلہ میں صرف سانس لیتی تھیں۔ بے مقصد سے سانس۔ بہر حال مرمو نے مقامی سکول اور کالج سے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ جنہیں عرف عام میں ٹاٹ سکول یا فضول سا کالج کہا جاتا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ایک مقامی تعلیمی مرکز میں حساب، جغرافیہ اور ہندی کی تعلیم دینی شروع کر دی۔ اس سکول کا نام شری اور بندھو سکول تھا۔ 1979ء میں مرمو کواری گیشن ڈیپارٹمنٹ میں جو نیر اسٹنٹ کی نوکری مل گئی۔ جو تقریباً چار سال تک جاری رہی۔ اپنے حالات کے مطابق بہت سادہ سی زندگی گزارتی تھی۔ گھر کی صفائی سترہائی، کھانا پکانا اور سودا سلف لانا۔ یہ تمام گھریلو کام خاموشی سے سرانجام دیتی تھیں۔ کالے سیاہ رنگ کی اس لڑکی میں کوئی بھی ایسی خصوصیت نہیں جسے دیکھ کر کوئی ذی شعور گمان کر سکے کہ وہ کبھی زندگی میں کسی قسم کی ترقی کر سکے گی۔ گھر بھی کچھ تھا۔ بارش میں چھٹ سے پانی ٹپکتا رہتا تھا۔ جسے مرمو فرش پر برتن رکھ کر بس گزارہ کرتی تھی۔ شادی ہوئی۔ بچے ہوئے۔ مگر کچھ عرصے کے بعد شوہر ایک ایکسٹنٹ میں مر گیا۔ چند سال بعد دو بچے بھی خدا نے اپنے پاس بلا

لیے۔ مرموڈ پریشن میں چلی گئی۔ اس کے پاس جینے کا کوئی بھی جواز نہیں رہا تھا۔ اس نے برہما کماری نام کی ایک روحانی مجلس میں شمولیت اختیار کر لی۔ دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ برہما کماری نام کی انتہائی کامیاب تحریک کا آغاز پاکستانی شہر حیدر آباد سے 1930ء میں ہوا تھا۔ بہر حال اس روحانی تحریک نے مرموکو دوبارہ زندگی کا احساس دیا۔ 1997ء میں اپنے گاؤں کی پنچاہت کی سرپنج بن گئی۔ سن 2000ء میں اوڑیسہ لچسلٹو اسمبلی کی رکن منتخب ہو گئی۔ اس کے بعد قدرت کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی۔ پہلے صوبہ کی کامرس منستر بنی اور پھر جنگلی حیات کی وزارت کا قلمدان سونپا گیا۔ مرمو دو مرتبہ اسمبلی کی ممبر رہیں۔ 2015ء میں مرکزی حکومت نے اسے جھاڑکنڈ کا گورنر بنادیا۔ 2015ء سے لے کر 2021ء تک گورنر رہیں۔ گورنر ہاؤس میں بھی اس کی ذاتی زندگی اتنی ہی سادہ رہی جتنی پہلے تھی۔ پروٹوکول اور کسی لاو لشکر کے بغیر ہر جگہ جاتی تھی۔ بطور گورنر اس نے جھاڑکنڈ میں قبائلی علاقوں کی زندگی بدل ڈالی۔ اپنے آپ کو اپسمندہ ترین لوگوں کی ترقی کے لئے وقف کر ڈالا۔ ان کے لئے تعلیم، صحت اور سڑکوں کا جال بچھا دیا۔ روز گار کے ان گنت مواقع فراہم کئے۔ مرمو نے اپنے علاقے کی تقدیر بدل ڈالی۔

آج سے ٹھیک چار دن پہلے مرمو کو ہندوستان کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ وہ پھر جولائی کو صدر کا حلف اٹھائے گی۔ مرمو نے یثونت سہنا جیسے مضبوط امیدوار کو بھر پور شکست دی ہے۔ اپنے سیاسی حریف سے تنگے دوٹ حاصل کئے ہیں۔ عام سی سفید ساڑھی میں ملبوس مرمو ہمسایہ ملک کی پندرھویں صدر ہو گی۔ مگر اب میں آپ کے سامنے حیرت انگیز حقیقت رکھتا ہوں۔ دوبار اسsemblی کی رکن، مسلسل وزیر اور چھ سال گورنر رہنے کے باوجود مرمو کے مالیاتی اثاثے صرف اور صرف چھ لاکھ ہندوستانی روپے ہیں۔ یعنی پاکستانی بارہ لاکھ روپے کے لگ بگ۔ یہ نکتہ ہی وہ اصل بات ہے جو

لوگوں کو سمجھ آنی چاہیے۔ تعلیمی لحاظ سے صرف اور صرف بی اے، قبائلی علاقوں سے تعلق اور مسلسل غربت جیسی کمزوریاں۔ یعنی کسی طرح کا کوئی ایک بھی عنصر نہیں جس سے اندازہ ہو سکے کہ مرموکبھی بھی ترقی کر سکتی ہے۔ بلکہ غربت مٹا وہ مہم سے کنارہ کشی اختیار کر سکتی ہے۔ مگر مرموکے دہائیوں پر محیط سیاسی کیریئر میں اس پر ایک پائی کی کرپشن کا الزام نہیں ہے۔ یہاں میں پاکستان میں موجودہ وزیر اعظم کا ”ایک دھیلے کی کرپشن“ والا جملہ استعمال نہیں کر رہا۔ کیونکہ وہ بالکل سچ بول رہے ہیں۔ ان کی مالیاتی بے ضابطگیاں دھیلوں پر نہیں، بلکہ کھربوں پر محیط ہیں۔ مگر آج یہ میرا موضوع قطعاً نہیں ہے۔ ہندوستان کو بطور پاکستانی آپ جتنا مرضی برا بھلا کھیں، جتنی مرضی گالیاں نکالیں۔ ہماری مذہبی تنظیمیں جتنا مرضی شور و غوغماً مچا لیں۔ میلوں لمبی انسانی زنجیریں بنالیں۔ سچ یہ ہے کہ ہندوستان کا سیاسی نظام حد درجہ مستحکم اور فعال ہے۔ اس ٹھوس نظام نے معاشی، انسانی اور عسکری ترقی کی وہ بنیاد رکھی ہے جس کی بدولت آج ہندوستان ایک علاقائی طاقت سے بالاتر ہو کر گلوبل پاور بن چکا ہے۔ ہمارے ماننے یانا ماننے سے کوئی بھی حقیقت تبدیل نہیں ہوتی۔ قطعاً یہ عرض نہیں کر رہا کہ انڈیا میں سب کچھ درست ہے مگر ان کی ترقی کی سمت بالکل درست ہے۔ ان کی ہر سیاسی حکومت، معاشی ترقی کو اولین ترجیح دیتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ عسکری ترقی بھی حد درجہ خیرہ کن ہے۔ یہ سب کچھ محتاط لفظوں میں لکھ رہا ہوں۔ کیونکہ ہمارے ہاں غدار اور کافر ہونے کا فتویٰ ریوڑیوں کی طرح بانٹا جاتا ہے۔ بانٹنے والے بھی وہ ظالم لوگ ہوتے ہیں، جو ریٹائرمنٹ کے فوراً بعد امریکہ، دوبئی، اسٹریلیا اور دیگر مغربی ممالک کی شہریت حاصل کرنے میں ایک لمحہ تاخیر نہیں کرتے۔ بہر حال ہمارے معاشرے میں حقیقت پسندانہ تحریر اور سوچ پر بھر پور پابندی ہے۔ ہم وہ بد قسمت لوگ ہیں جو اپنی جہالت کی بدولت پوری دنیا کے سامنے نشان عبرت بناد دیے گئے ہیں۔ اپنی پسمندگی پر ماتم

کرنے کی بجائے جشن منانے میں مصروف ہیں۔

ہندوستان کی مرموچی ہمارے پاس کتنی سیاسی اور غیر سیاسی شخصیات ہیں۔ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں۔ اگر کوئی جواب ذہن میں آتا بھی ہے تو لکھنی سکتا۔ اگر لکھنے کی جرأت کر بھی لوں تو چھپے گا نہیں۔ بہر حال پاکستان میں سیاست اور کسی قسم کی طاقت لوٹ مار کا دوسرا نام ہے۔ آل شریف اور زرداری صاحب کی شہرت یا بدنامی پر تو کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ مگر تحریک انصاف کے اکابرین بھی پیسہ اکٹھا کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ایک بہت ادنیٰ بات عرض کروں۔ تحریک انصاف کے ایک حالیہ جلسے میں سٹھج پر خان صاحب کے نزدیک کس نے بیٹھنا ہے۔ ایک سابقہ وفاقی وزیر نے اس امر کے بھی کافی پیسے لئے ہیں۔ جلسہ ان کے شہر میں ہو رہا تھا۔ اس سے آپ اندازہ فرمائیجئے کہ ہاتھی کے اصل دانت کیا ہیں بلکہ کون سے ہیں۔ یقین فرمائیے۔ مجھے سیاست دانوں کے عیوب گنوانے کا کوئی شوق نہیں مگر معلومات کی بنی پر عرض نہ کرنا بھی قطعی نا انصافی میں شمار ہو گی۔ زرداری صاحب نے کلفٹن میں بلاول ہاؤس کے ارڈر گھروں کو کس جبر سے حاصل کیا۔ وہاں کے مکینوں کو کیونکر مجبور کیا کہ وہ اپنی پر اپرٹی کوڑیوں کے مول فروخت کر دیں۔ یہ سب کچھ ہر ایک کے علم میں ہے۔ مگر خوف اتنا ہے کہ کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ نیگ میں بہت سے ایسے اکابرین ہیں جو آج سے بیس برس پہلے سائیکل پر پھرتے تھے۔ دو تین مرلوں کے گھروں میں رہتے تھے۔ آج ایکڑوں کے محلوں میں مزرے لوٹ رہے ہیں۔ لطف کی بات یہ بھی ہے کہ وہ سارا دن ہمیں ایمانداری، میرٹ اور شفافیت پر بھاشن دیتے ہیں۔ صرف سیاست دانوں میں بگاڑنہیں۔ سرکاری ملازم ریاستی اداروں کے سینئر ملازم، تاجر حضرات کی اکثریت اسی بدلی کا شکار ہے۔

ذراغور کیجئے۔ سات دہائیوں میں ہم لوگ اتنی بجلی بھی پیدا نہیں کر پائے کہ لوڈ شیڈنگ ختم ہو۔

جائے۔ ہم بائیس کروڑ لوگوں کو پینے کا صاف پانی مہیا نہیں کر پائے۔ تھر یا وزیرستان کو تور ہنے دیجئے۔ لاہور، کراچی اور اسلام آباد جیسے بڑے شہروں میں مقامی ادارے پینے کا صاف پانی مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔ ہر سرکاری میٹنگ میں، بوقت والا منزل والٹر ٹیبل پر سجا ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ بدمختی اور کیا ہوگی۔ جس دن ہمارے اکابرین کو نلکے کا پانی پینے پر مجبور کیا گیا۔ پانی بالکل بہتر ہو جائے گا۔ بالکل اسی طرح اگر تمام اکابرین کے لخت جگہ سرکاری سکولوں میں پڑھنے لگیں، ہماری تعلیم کا میuar بہتر ہو جائے گا۔ جس دن ملک کا صدر، وزیر اعظم، وزیر، سرکاری ہسپتالوں میں علاج کروانے لگے۔ ہماری صحت کا شعبہ درست ہو جائے گا۔ میرا تو مشورہ ہے کہ پارلیمنٹ قانون بنادے جس میں مقتدر طبقے کے تمام اکابرین کو پابند کیا جائے کہ وہ عام لوگوں کی طرح زندگی گزاریں۔ نلکے سے پانی پینے، سرکاری سکولوں میں اپنے بچوں کو بھیجیں، سرکاری ہسپتالوں میں علاج کروائیں۔ اگر یہ قانون بن جائے تو یقین فرمائیئے، ہمارے تنزلی کا سفر رک جائے گا۔ مگر یہ سب کچھ صرف خام خیالی ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہو پائیگا۔ ہمارے ہاں کوئی ایسا صدر، وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ یا مقتدر طبقے کا سربراہ نہیں ہو گا جس کے قانونی اثاثے دروپتی مرموکی طرح صرف اور صرف چھ لاکھ کے ہوں۔ یہاں تو کھربوں کا ہیر پھیر ہے۔ بھلا چھ لاکھ کی کیا اہمیت۔ لہذا ہم اسی ذلت میں سانس لیتے رہنگے!